جنگل کہانی

فرزانہ نگہت

ایک ایسے ڈاکٹر کی زندگی سے اخذ کردہ دلچسپ واقعہ جب وہ بحالتِ مجبوری شکاری بنا اور ایک آدم خور شیر سے مقابلہ کرنے پر آمادہ ہوگیا۔

شکاریات پڑھنے والوں کے لیے ایک دلچسپ روداد

میں ایک ڈاکٹر ہوں جس کی زندگی کا بڑا حصہ مختلف امراض میں مبتلا مریضوں اور اسپتالوں میں آپریشن کرتے ہوئے گزرا ہے۔ مجھے اپنی زندگی میں کبھی بندوق چلانے یا دوسرا اسلحہ استعمال کرنے کا موقع نہیں ملا۔ مگر قسمت نے مجھے ایک دم ہی لندن کے ایک اسپتال سے نکال کر آسام کے گھنے جنگلوں میں پہنچا دیا۔ میرے لیے یہ ایک یکسر نئی اور نرالی دنیا تھی۔ وہاں پہنچ کر مجھے یوں محسوس ہوا تھا جیسے میں لندن کی انتہائی ہنگامہ خیز اور دن رات کی پُرمشقت مصروفیات کی زندگی سے نکل کر ایک ایسی جنت میں پہنچ گیا ہوں جہاں نہ کوئی غم ہے، نہ پریشانی، فکر نہ سڑکوں پر لوگوں کا جم غفیر ہے۔ ٹریفک کا شور، نہ ہوائی جہازوں کی گڑگڑاہٹ ہے نہ فیکٹریوں کارخانوں میں چلنے والی مشینوں کا سماعت شکن شور۔

www.zemtime.com

آسام کے جنگلوں اور چائے کے سرسبز، شاداب باغات میں آکر میری تو کایا ہی پلٹ گئی اور چند ہی دنوں میں مجھے یوں محسوس ہونے لگا جیسے میری زندگی کے کئی گمشدہ سال مجھے واپس مل گئے ہیں۔ میرے مزاج سے تلخی اور چڑچڑاپن دور ہوگیا۔ صحت پہلے سے بہتر ہوگئی اور جانے کیوں دل چاہنے لگا کہ کوئی خطرناک مہم سر کی جائے، خطرات سے بھرپور کارنامہ انجام دیا جائے۔ مجھے خطرات میں کودنا ہی زندگی کا حاصل دکھائی دینے لگا۔

خطرات جو میرے چاروں طرف حشرات الارض کی طرح رینگ رہے تھے اور میں ان سے محفوظ رہنے کے طریقوں ترکیبوں سے یکسر ناواقف تھا۔ عین ممکن تھا کہ جنگل میں سیر کرتے ہوئے کوئی چیتا مجھ پر حملہ آور ہوجاتا، کوئی ہاتھی مجھے کچل ڈالتا، کوئی شیر مجھے اپنا نوالہ بنالیتا، کوئی زہریلا سانپ مجھے ڈس لیتا۔ رات کے سناٹے میں کوئی آدم خور چیتا آکر میری گردن دبالیتا۔ دوسرے الفاظ میں یوں کہا جاسکتا تھا کہ دن رات کے چوبیس گھنٹوں میں کوئی لمحہ ایسا نہ تھا جب ناگہانی موت کا خطرہ میرے سر پر نہ منڈلاتا ہو۔

لندن سے آسام میں اپنے ایک دوست کی وجہ سے پہنچا تھا جس نے وہاں چائے کے کچھ باغات خرید رکھے تھے۔ ان باغات میں مقامی باشندوں کی بڑی تعداد کام کرتی تھی۔ انہی کے علاج معالجے اور دیکھ بھال کے لیے اس نے مجھے معقول معاوضے کا لالچ دے کر وہاں بلایا تھا۔ ادھر میں بھی لندن کی بیزار کن زندگی سے تنگ آچکا تھا اور سکون و چین کی تلاش میں تھا۔ جونہی مجھے اپنے اس دوست کا خط ملا میں نے فوراً ہی رختِ سفر باندھا، اسپتال کے انچارج کو استعفیٰ بھیجا اور دو دن کے اندر اندر آسام پہنچ گیا۔

ایک روز میں صبح سویرے اپنے چھوٹے سے اسپتال کی طرف روانہ ہو رہا تھا کہ چار ڈرائیوروں میں سے ایک دوڑتا ہوا میرے پاس آیا۔ اس نے ہانپتے کانپتے مجھے بتایا کہ خوشیا ڈرائیور کو ابھی ابھی جنگل میں ایک ہاتھی نے کچل ڈالا ہے اور اس کی جیپ بھی تباہ کردی ہے۔ میرے لیے یہ کوئی نئی بات نہیں تھی۔ اس سے پہلے بھی ان جنگلوں میں بسنے والے ہاتھیوں کی ہلاکت خیز سرگرمیوں کی خبریں میرے علم میں آچکی تھیں۔ میں جانتا تھا کہ ہاتھی ایک امن پسند جانور ہوتا ہے جو کبھی کسی پر حملہ کرنے میں پہل نہیں کرتا۔ اگر اسے چھیڑا یا مشتعل کیا جائے تب بھی وہ غصے میں نہیں آتا اور راستہ چھوڑ کر پرے ہٹ جاتا ہے۔ مگر جو لوگ ہاتھی کا سامنا ہوتے ہی احمقانہ بدحواسی کا مظاہرہ کرتے ہیں وہ خود اپنی موت کو دعوت دیتے ہیں۔

میں اور میرا دوست جب جائے حادثہ پر برائے تحقیق پہنچے تو ایک ایسے شخص نے جو اس وقت جنگل میں سے گزر رہا تھا ہمیں اس حادثے کی تفصیلات سنائیں۔ اس کا بیان تھا۔

”میں اس وقت جنگل میں سے گزر رہا تھا جب میں نے وہاں ہاتھیوں کا ایک گروہ دیکھا انہوں نے بھی مجھے دیکھ لیا تھا لیکن انہوں نے حملہ کرنے کی کوئی کوشش نہیں کی۔ میں چپ چاپ اپنے راستے پر چلتا رہا۔ پھر میں نے جنگل کی کچی سڑک پر کسی گاڑی کے چلنے کی آواز سنی اس کے ساتھ ہی ہاتھیوں کی چنگھاڑیں بھی بلند ہونے لگیں۔ میں جھاڑیوں کے اندر چھپ گیا۔ گاڑی مجھ سے صرف دس قدم کے فاصلے پر آکر رک گئی۔ اس میں صرف ڈرائیور موجود تھا۔ ہاتھی گاڑی سے چند گز دور کھڑے تھے۔ ڈرائیور نے پہلے تو زور زور سے ہارن بجایا کہ شاید ہاتھی ڈر کر بھاگ جائیں لیکن اس کی اس حرکت نے ایک ہاتھی کو غصہ دلا دیا۔ وہ گاڑی سے چند فٹ کے فاصلے پر آکر رک گیا۔ شاید وہ تھوڑی دیر بعد واپس چلا جاتا لیکن ڈرائیور بدحواس ہوکر دروازہ کھول کر گاڑی سے باہر نکل آیا اور ایک طرف دوڑ اٹھا۔ یہی حرکت اس کے لیے جان لیوا ثابت ہوئی۔ ہاتھی غضب ناک ہوکر اس کے تعاقب میں دوڑ پڑا اور چشم زدن میں اسے جالیا اور اپنی سونڈ میں لپیٹ کر اسے زور سے زمین پر پٹخا اور پھر اس پر اپنا پاؤں رکھ کر اسے کچل دیا۔“

ڈرائیور خوشیا کی لاش وہیں پڑی تھی۔ سچ کہتا ہوں اسے دیکھ کر میرے تو رونگٹے ہی کھڑے ہوگئے۔ وہ بالکل قیمہ بن چکی تھی۔ دور کچھ فاصلے پر جیپ بھی دکھائی دے رہی تھی۔ مشتعل ہاتھی نے ٹکریں مار مار کر اس کا کباڑہ کردیا تھا اور اسے قطعاً ناقابل استعمال بناڈالا تھا۔

یہ پہلا موقع تھا جب مجھے ہاتھیوں کے بارے میں سنجیدگی سے سوچنا پڑا لیکن محض سوچنے سے کیا ہوتا تھا۔ ان جنگلوں میں ان کی تعداد بہت زیادہ تھی۔ چاولوں کی فصلیں اجاڑنے اور کسی گاؤں کے کچے اور گھاس پھونس کے بنے مکانوں کو توڑنے پھوڑنے کے سوا ہاتھی بہت کم کسی انسان پر حملہ کرتے تھے لیکن اس کے باوجود مقامی باشندے اپنی جہالت اور حماقت کی وجہ سے ہاتھیوں کا شکار بنتے رہتے تھے۔

ہاتھیوں کے بعد دوسرا نمبر شیروں اور چیتوں کا تھا۔ چیتوں کی تعداد شیروں سے کہیں زیادہ تھی۔ وہ بعض اوقات رات کو یا دن دہاڑے بھی بستیوں میں آکر بکریوں اور گائیوں

www.zemtime.com

کو ہلاک کر دیتے تھے۔ یہاں کے شیروں کی ایک خصوصیت نہایت حیران کن تھی۔ وہ جنگل سے گزرنے والے کسی انسان پر حملہ آور نہیں ہوتے تھے بلکہ شرافت سے دور ہٹ جاتے تھے۔ میں دو سال تک آسام میں رہا اور اس عرصہ میں ایک بھی ایسی واردات سننے میں نہ آئی کہ شیر کے ہاتھوں کوئی آدمی مارا گیا ہو۔ البتہ چیتے ضرور شرارتیں کیا کرتے تھے لیکن یہ بھی مویشیوں تک ہی محدود رہتی تھیں۔ انسانوں پر وہ شاذ ہی حملے کرتے تھے۔ غالباً یہی وجہ تھی کہ یہاں کے باشندے بلاخوف وخطر جنگلوں میں دور دور تک نکل جاتے تھے اور صحیح سلامت اپنے گھروں کو واپس آجاتے تھے۔

مجھے وہ شیر کبھی نہیں بھولتا جو میری رہائش گاہ سے کچھ فاصلے پر آکر رہنے لگا تھا۔ اسے معلوم تھا کہ انسانوں کی بستی کے اس قدر قریب جانا خطرناک ثابت ہوسکتا مگر اس نے وہاں سے جانا پسند نہ کیا۔ کبھی کبھی وہ ایک آدھ گائے بھینس پر حملہ آور ہو کر اپنا پیٹ بھر لیتا تھا۔ گاؤں والوں کو بھی اس پر اعتراض نہ ہوتا۔ ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ گاؤں کے کچھ بچے کھیلتے کھیلتے اس جگہ کے قریب جا پہنچے جہاں شیر آرام کر رہا تھا۔ بچے شیر کی موجودگی سے بے خبر کھیلتے کودتے رہے اور شیر بڑی دلچسپی سے انہیں دیکھتا رہا۔ وہ چاہتا تو ان پر حملہ کرسکتا تھا لیکن اس نے ایسا نہ کیا۔ پھر اچانک ایک بچے کی نظر جھاڑیوں میں لیٹے شیر پر پڑی۔ اس نے اپنے ساتھیوں کو خبردار کیا اور سب وہاں سے بھاگ آئے۔ بچوں نے بعد میں بتایا کہ شیر انہیں بڑی محبت بھری نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

ایک روز اس سے بھی زیادہ عجب بات یہ ہوئی کہ ایک گوالا دودھ سے بھری بالٹی لے کر اس جگہ سے گزر رہا تھا۔ جہاں وہ شیر رہا کرتا تھا جھاڑیوں کے قریب پہنچتے ہی شیر آہستہ سے غرا کر ایک دم ہی گوالے کا راستہ روک کر کھڑا ہوگیا۔ گوالا وفورِ خوف ودہشت سے پتھرایا ہوا سا اپنی جگہ پر مجسم سا ہوگیا۔ شیر نے اسے دیکھا۔ انگڑائی لی اور آہستہ آہستہ چلتا ہوا گوالے کے بالکل قریب آکر کھڑا ہوگیا اور بالٹی کی طرف منہ بڑھایا۔ گوالے نے چپکے سے بالٹی زمین پر رکھ دی اور خود الٹے قدموں آہستہ آہستہ پیچھے ہٹنے لگا۔ شیر نے گوالے کی طرف کوئی توجہ نہ دی اور اطمینان سے دودھ پینے لگا۔ گوالے نے بعد میں بتایا۔

"میں ایک درخت پر چڑھ گیا۔ شیر نے دودھ پی لیا۔ اِدھر اُدھر دیکھا جیسے مجھے تلاش کر رہا ہو۔ پھر غرا کر شاہانہ چال چلتا ہوا ایک جانب چلا گیا۔ میں بہت دیر تک درخت پر چھپا بیٹھا رہا۔ پھر جب مجھے اطمینان ہوگیا کہ شیر کافی دور چلا گیا ہے تو میں درخت سے نیچے اترا اور بالٹی اٹھا کر بستی کی طرف دوڑ آیا۔ میری بالٹی میں کوئی بارہ سیر دودھ تھا جس میں سے آدھا شیر نے پی لیا تھا۔

گوالے نے بستی والوں کو بڑے فخر سے یہ داستان سنائی اور شیر سے اپنی دوستی کا ڈھنڈورا پیٹا۔ اس شیر کا ذکر چھڑا ہے تو یہاں ایک دوسرا قصہ بھی سن لیجیے۔ ہمارا ایک ڈرائیور مقامی مزدوروں کو اپنی گاڑی میں بٹھائے جنگل میں سے گزرنے والی ایک پگڈنڈی پر چلا جا رہا تھا۔ یہ پگڈنڈی کچی اور تنگ سی تھی۔ جس کے دونوں طرف جھاڑیاں اور اونچے اونچے درخت آگے تھے۔ یہ چھکڑوں اور گاڑیوں کے لیے مخصوص تھی۔ ڈرائیور کم رفتار ہی سے موٹر گاڑی اس پگڈنڈی پر چلاتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا کہ ایک دم ہی ایک مزدور اپنی زبان میں چلا کر اس سے بولا۔

"صاحب گاڑی روکو سامنے شیر ہے!"

ڈرائیور نے فوراً ہی بریک لگا کر گاڑی روک دی اور دیکھا کہ وہی جانا پہچانا شیر پگڈنڈی کے عین درمیان میں آرام سے لیٹا ہوا تھا۔ گاڑی کا انجن چلتا رہا اور اس کی آواز یقیناً شیر کے کانوں میں بھی پہنچ رہی ہوگی لیکن وہ بدستور لیٹا ہی رہا۔ چند منٹ انتظار کرنے کے بعد ڈرائیور نے گاڑی کا ہارن زور زور سے بجایا۔ شیر اب بھی سویا ہی رہا۔ پھر وہ اٹھا اور پچھلے پنجے سے اپنی ٹھوڑی کھجانے میں مصروف ہوگیا۔ ڈرائیور نے غصے میں آکر گاڑی اسٹارٹ کی اور شیر کے بالکل قریب لے جا کر کھڑی کردی۔ اب شیر کو مجبوراً اپنی جگہ سے اٹھنا پڑا۔ وہ دو تین مرتبہ غرایا اور چند قدم کے فاصلے پر ایک درخت کے نیچے جا کر لیٹ گیا۔ اس کے چہرے کی شکنوں سے معلوم ہوتا تھا جیسے وہ ڈرائیور سے سخت ناراض تھا اور دل ہی دل میں کہہ رہا تھا۔ اس مرتبہ میں نے تمہیں معاف کردیا ہے لیکن آئندہ تم نے مجھے بے آرام کرنے کی جسارت کی تو اچھا نہ ہوگا۔

جیسا کہ میں نے پہلے بتایا ہے۔ آسام کے یہ شیر اور چیتے مشکل سے ہی آدم خور بنتے ہیں کیونکہ یہاں جنگل میں انہیں پیٹ بھرنے کے لیے بے شمار چھوٹے بڑے جانور مل جاتے ہیں لیکن آدم خور بن جانے کے بعد ان درندوں کے غیظ وغضب اور چالاکی ومکاری کی کوئی انتہا نہیں رہتی۔ آدم خور چیتے کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ انسان کو ہمیشہ گلے سے دبوچتا ہے اور شیر گردن توڑنے کی کوشش کرتا ہے۔ بعض ناتجربہ شکاری اپنے غلط نشانوں سے جب کسی شیر یا چیتے کو زخمی

www.zemtime.com

کر دیتے ہیں اور وہ جنگلی جانوروں کو شکار کرنے کے قابل نہیں رہتا تو پھر وہ مجبوراً انسانوں کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے کیونکہ انسان انہیں ہر جگہ مل جاتے ہیں۔ عورتیں اور بچے تو ان کے لیے بڑا آسان شکار ثابت ہوتے ہیں۔ ایک دو مرتبہ انسانی شکار کھانے کے بعد یہ درندے پھر کسی دوسرے جانور کو کھانے کے قابل نہیں سمجھتے اور صرف انسانی گوشت اور خون پر زندہ رہتے ہیں۔ جونہی کسی شیر یا چیتے کے آدم خور بننے کی خبر بستیوں میں پہنچتی ہے وہاں لوگوں میں شدید خوف و ہراس پیدا ہو جاتا ہے۔ لوگ اکیلے سفر کرنا بند کر دیتے ہیں اور جنگل میں ٹولیوں کی صورت میں اور مسلح ہو کر جاتے ہیں۔ سورج غروب ہونے سے پہلے پہلے تمام مرد عورتیں اپنے اپنے کام بند کر کے گھروں میں چھپ کر بیٹھ جاتے ہیں۔ دروازے مضبوطی سے بند کر لیے جاتے ہیں، جگہ جگہ آگ کے الاؤ روشن کیے جاتے ہیں کہ درندہ قریب نہ آئے لیکن ان تمام تر حفاظتی اقدامات کے باوجود موت آدم خور درندے کی صورت میں برابر ان غریب اور معصوم لوگوں کی تاک میں لگی رہتی ہے۔ ان کے مکان ایک طاقتور شیر یا چیتے کے سامنے کوئی حیثیت نہیں رکھتے کہ یہ گھانس پھونس یا کچی اینٹوں کے بنے ہوتے ہیں جسے درندہ ایک ہی جست میں پھلانگ کر اندر آ جاتا ہے اور کسی نہ کسی مرد عورت اور بچے کو اٹھا کر بھاگ جاتا ہے۔ چیتے تو اتنے چالاک ہوتے ہیں کہ مٹی کی دیوار کو اپنے پنجوں سے کھود کر اندر گھسنے کا راستہ بنا لیتے ہیں۔

میرے یہاں آنے کے کوئی دو ماہ بعد ایک روز خبر آئی کہ کسی شیر نے جنگل میں کسی لکڑہارے کو ہلاک کر دیا ہے اور اس کی لاش کا بڑا حصہ بھی کھا لیا ہے۔ میرا دوست رابرٹ جو چائے کے ان باغات کا مالک تھا فوراً اپنی بندوق سنبھالے جائے حادثہ پر جا پہنچا۔ میں بھی اس کے ہمراہ ہو لیا تھا اور چار پانچ مزدور ہماری راہنمائی کر رہے تھے۔ رابرٹ کے بنگلے سے تین میل دور جانب مغرب ایک پہاڑی ٹیلے کے عقب میں ایک چھوٹا سا جنگل تھا۔ لکڑہارے اکثر وہاں لکڑیاں کاٹنے آیا کرتے تھے، انہیں کبھی کوئی حادثہ پیش نہ آیا تھا لیکن اس روز سہ پہر کے بعد دوسرے لکڑہارے تو کام ختم کر کے واپس چلے گئے لیکن دو لکڑہارے جو باپ بیٹا تھے بدستور اپنے کام میں مصروف رہے۔ وہ اس روز کچھ زیادہ ہی لکڑی کاٹنا چاہتے تھے اور سورج غروب ہونے تک وہیں ٹھہرنا چاہتے تھے۔ سورج غروب ہوتے ہوتے لڑکے نے اپنے قریب ہی کچھ آہٹیں سی سنیں پھر اس نے ایک جسیم شیر کو ٹیلے سے اتر کر جنگل میں داخل ہوتے ہوئے دیکھا۔ اس نے اپنے باپ کو خبردار کیا۔ باپ نے فوراً لکڑیوں کا گٹھا ٹھیلے پر لادا اور دونوں کلہاڑیاں سنبھال کر ٹھیلے کو دھکیلتے ہوئے بستی کی طرف چلنے لگے۔ تھوڑی دیر بعد انہیں محسوس ہوا کہ شیر ان کے پیچھے پیچھے آ رہا تھا۔ وہ جھاڑیوں، لمبی لمبی گھاس اور درختوں کی اوٹ میں رہتے ہوئے ان کا تعاقب کر رہا تھا۔ یہ دیکھ کر ان کے اوسان خطا ہو گئے اور جب سورج بالکل غروب ہو گیا اور جنگل میں تیزی سے اندھیرا پھیلنے لگا تو شیر کی گرج نے انہیں بدحواس کر دیا۔ لڑکا بڑی پھرتی سے درخت پر چڑھ گیا اور اپنے باپ سے کہا کہ وہ بھی جلدی سے درخت پر چڑھ جائے لیکن بدنصیب بوڑھے کا وقت پورا ہو چکا تھا۔ درخت پر چڑھتے چڑھتے وہ پاؤں پھسلنے سے نیچے جا گرا۔ اسی وقت شیر اس پر جھپٹا اور بدنصیب چیختے چلاتے لکڑہارے کو گھسیٹ کر دور لے گیا۔ لڑکا اپنے باپ کی چیخیں سنتا رہا لیکن وہ بے بس و مجبور دم بخود سا درخت پر سہما سکڑا بیٹھا رہا۔

اس بدنصیب بوڑھے لکڑہارے کی لاش ہم نے جھاڑیوں کے اندر پڑی پائی۔ شیر نے خوب جی بھر کے اپنا پیٹ بھرا تھا اور لاش کو جھاڑیوں میں ایسے چھپا دیا تھا کہ وہ بمشکل ہی تلاش کی جا سکتی تھی۔ لاش کا سر الگ پڑا تھا۔ سینے اور بازوؤں کا گوشت غائب تھا۔ لکڑہارے کے لڑکے نے جس کا نام منو تھا ہمیں روتے ہوئے بتایا کہ وہ شیر اس سے پہلے کبھی اس جنگل میں دکھائی نہ دیا تھا۔ اس کی عمر بھی زیادہ تھی۔ اس کا اوپر کا جبڑا پھٹا ہوا تھا۔ رابرٹ نے تین چار پیشہ ور شکاریوں کی خدمات حاصل کر رکھی تھیں۔ چنانچہ اگلے روز انہیں بلا لیا گیا اور انہیں اس شیر کو ہلاک کرنے کا حکم دیا گیا کیونکہ خدشہ تھا کہ وہ مزید انسانوں کو اپنا شکار بنانے کی کوشش کرے گا۔

ان شکاریوں کے ساتھ یہ ہوا کہ ڈیڑھ ماہ کے عرصے میں ان میں سے دو اسی آدم خور شیر کا شکار بن گئے۔ ایک چیتے کے پنجے کا نشانہ بنا اور ایک مچان سے گر کر اپنی گردن تڑوا بیٹھا۔ اس دوران اس آدم خور کی سرگرمیاں آہستہ آہستہ گرد و نواح کی تمام بستیوں میں پھیل گئی تھیں اور وہ ہر ہفتے کسی نہ کسی عورت یا مرد کو اپنا نوالہ بنانے میں کامیاب ہو جاتا تھا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ مزدوروں نے چائے کے باغات میں کام کرنے سے انکار کر دیا۔ اب یہ حال ہو گیا کہ کوئی شخص رات کو در کنار دن کو بھی اکیلا دکیلا باہر نہ نکلتا تھا۔

یہ صورتِ حال بڑی پریشان کن اور تشویشناک تھی۔ تنگ آ کر رابرٹ نے خود آدم خور کو ٹھکانے لگانے کا فیصلہ کیا

www.zemtime.com

اور مجھے بھی لامحالہ اس کا ساتھ دینا پڑا۔ میں نے سمجھ لیا کہ لندن سے میری قضا مجھے وہاں کھینچ لائی ہے۔

ایک رات کا ذکر ہے۔ شدید طوفان بادو باراں برپا ہوا۔ ڈیڑھ گھنٹے تک چھاجوں مینہ برستا رہا۔ بادل پورے غیظ و غضب سے گرجتے رہے اور بجلی لرزہ کن انداز میں کڑکتی رہی۔ میں اپنے چھوٹے سے بنگلے میں تنہا رہتا تھا۔ خانساماں کام ختم کر کے شام کو اپنے گھر چلا جاتا تھا۔ میرے پاس ایک چوکیدار بھی تھا جو رات کو پہرہ دینے کی بجائے سو جاتا تھا۔ وہ بنگلے کے نچلے حصے کے بیرونی کمرے میں رہتا تھا۔ یکا یک بنگلے کے قریب ایسی آواز آئی جیسے کوئی بھاری درخت زمین پر آ گرا ہو۔ میں دریافت حال کے لیے بستر سے نکلا۔ شب خوابی کے کپڑے تو میں نے پہلے ہی سے پہن رکھے تھے۔ پیروں میں سلیپر ڈال کر میں برآمدے میں نکل آیا۔ یہ بنگلا دو منزلہ بنا ہوا تھا۔ میں دبے پاؤں لکڑی کی سیڑھیاں اتر کر نیچے پہنچا اور غسل خانے میں سے ہو کر بیرونی برآمدے میں جانے کا ارادہ کیا۔ غسل خانے کا دروازہ باہر کی جانب کھلتا تھا۔ میں نے اندر سے چٹخنی کھولی اور دروازے کو باہر کی طرف دھکیلا لیکن دروازہ نہ کھلا ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے دروازے کے باہر کوئی وزنی چیز پڑی ہوئی ہے جو دروازہ نہیں کھلنے دے رہی۔ میں نے دل ہی دل میں چوکیدار کو برا بھلا کہا کہ وہ یقیناً دروازے سے ٹیک لگائے سو رہا ہے۔ وفور غیظ و غضب سے بے تاب ہو کر میں نے پوری قوت سے دروازے کو دھکا دیا۔ وہ کھل گیا۔ میں نے اسی وقت غسل خانے کی بتی روشن کی اور باہر جھانکا مدھم روشنی میں، میں نے جو کچھ دیکھا وہ میرا خون خشک کر دینے کے لیے کافی تھا۔ برآمدے میں ایک نہایت بھیانک اور جسیم شیر کھڑا بڑی غضب ناک نظروں سے مجھے گھور رہا تھا۔ اس کی سرخ سرخ آنکھیں انگاروں کی طرح دہک رہی تھیں۔ چند لمحے ہم دونوں ایک دوسرے کو دیکھتے رہے پھر ایک دم مجھے ہوش آ گیا میں نے ایک جھٹکے کے ساتھ غسل خانے کا دروازہ بند کیا اور دیوانہ وار بندوق لینے کے لیے سیڑھیوں کی طرف لپکا لیکن زینے سے ہی ٹھوکر کھا کر بری طرح سے گر گیا۔ چوٹ کی پرواہ کسے تھی میں سمجھ رہا تھا شیر میرے تعاقب میں ہے۔ تھوڑی دیر بعد جب میرے ہوش ٹھکانے آئے تو اپنی بدحواسی پر مجھے شدید شرمندگی محسوس ہوئی۔ بندوق سنبھالے میں ساری رات جاگتا رہا۔ چوکیدار کی قسمت اچھی تھی جو اس واقعے سے پہلے ہی وہ اپنے کمرے میں جا چکا تھا ورنہ شیر لازماً اسے اپنا شکار بنا لیتا۔

رات تو جوں توں کر کے گزار لی پھر جب صبح ہوئی تو میں نے اپنا بوریا بستر سمیٹا اور رابرٹ کے بنگلے میں جا پہنچا اور اسے سارا واقعہ سنایا۔ اس نے میرا خوب مذاق اڑایا۔ ”تم تو بہت ہی بزدل آدمی ثابت ہوئے۔ میں تمہاری جگہ ہوتا تو اسی وقت شیر کو مار دیتا۔ ویسے بھی وہ آدم خور تمہیں کھانے کے لیے نہیں بلکہ بارش سے پناہ لینے کے لیے بنگلے کی طرف آ نکلا ہوگا۔“

”بہر حال..... کچھ بھی ہو۔ میں تو اب ہرگز اس بنگلے میں نہ جاؤں گا۔ آدم خور نے وہاں کا راستہ دیکھ لیا ہے۔ وہ کسی بھی دن وہاں پھر آ سکتا ہے۔“

”ہاں وہاں اکیلے رہنا واقعی ٹھیک نہیں.....“ رابرٹ بولا۔ ”لیکن سوال یہ ہے کہ اسے کس طرح ہلاک کیا جائے؟ مزدور کسی طرح کام پر نہیں آ رہے۔ وہ جب تک اپنی آنکھوں سے شیر کو مرا ہوا نہ دیکھ لیں گے ہرگز باغات یا جنگل میں نہ جائیں گے.....“

ایک ہفتہ گزر گیا۔ شیر کے بارے میں کوئی خبر نہ مل سکی کہ وہ کہاں ہے، اس عرصہ میں اس نے کسی آدمی کو ہلاک نہیں کیا تھا اس لیے مزدور آہستہ آہستہ کام پر جانے لگے۔ پندرہ بیس دن اور گزرنے کے بعد لوگ اس آدم خود کو بھول گئے لیکن ایک روز دوپہر کو پھر بستیوں میں کھلبلی مچ گئی۔ ”آدم خور آ گیا! آدم خور آ گیا!“ کی آوازیں ہر جگہ سنائی دینے لگیں۔ مزدور کام چھوڑ کر اپنے گھروں کی طرف بھاگ اٹھے۔ مجھے بتایا گیا کہ آدم خور نے تھوڑی دیر پہلے ایک عورت کو ہلاک کیا ہے اور اس کی لاش جنگل میں اس مقام پر پڑی ہے جہاں کچی اینٹیں لگانے کا بھٹہ تھا۔ میں نے مزدوروں کو سمجھانے کی کوشش کی کہ یہ بھی ممکن ہے کہ اس عورت کو آدم خور نے نہیں بلکہ کسی اور شیر یا چیتے نے ہلاک کیا ہو۔ اس پر کئی آدمیوں نے بیک زبان ہو کر کہا۔ ”نہیں صاحب..... ہم نے خود اپنی آنکھوں سے اس موذی کو دیکھا ہے۔ اس کا اوپر کا جبڑا ٹوٹا ہوا ہے۔“

میں نے رابرٹ کو اطلاع دینے کے لیے آدمی بھیجا لیکن معلوم ہوا وہ بنگلے پر نہیں اور کہیں باہر گیا ہوا ہے۔ میں نے رائفل اٹھائی۔ نئی جیپ لی اور تنہا ہی جنگل کی طرف چل پڑا۔ کچی اینٹوں کے بھٹے کے پاس واقعی اس بدنصیب عورت کی تازہ تازہ لاش پڑی تھی جس کے گرد نرم زمین پر شیر کے پنجوں کے نشانات نمایاں طور پر دکھائی دے رہے تھے اور جا بجا خون بھی بکھرا ہوا تھا۔ شیر نے پگڈنڈی سے کوئی بیس پچیس گز کے فاصلے پر اس عورت کو ہلاک کیا پھر اس کی لاش گھسیٹتا ہوا گھنی

www.zemtime.com

جھاڑیوں میں لے آیا کیونکہ لاش گھسیٹے جانے کے نشانات واضح طور پر دکھائی دے رہے تھے۔ پھر کسی سبب اسے لاش پر دانت آزمانے کا موقع نہ مل سکا اور وہ اسے وہیں چھوڑ کر بھاگ گیا۔

جنگل کا وہ حصہ خاصہ وسیع اور کھلا تھا۔ یہاں زیادہ تر گھاس ہی اگی ہوئی تھی۔ کچھ فاصلے پر جھاڑیاں کھڑی تھیں۔ ان جھاڑیوں کے عین سامنے ایک اونچا سا گھنا درخت تھا۔ میں آہستہ آہستہ چلتا ہوا ان جھاڑیوں کی طرف بڑھ گیا۔ اسی وقت میری نظر درخت کی شاخوں پر بیٹھے ہوئے کرگسوں پر پڑی۔ وہ بے شمار تھے مگر بے حس و حرکت بیٹھے تھے۔ میری چھٹی حس بیدار ہوگئی اور میں ٹھٹک کر وہیں رک گیا اور سوچنے لگا کہ آخر کیا بات ہوسکتی تھی۔ کرگسوں کے لیے یہ بہترین موقع تھا کہ وہ لاش کو چند ہی منٹوں میں نوچ نوچ کر کھا کر ختم کرسکتے تھے۔ وہ ایسا کیوں نہ کررہے تھے، یوں چپ چاپ کیوں بیٹھے تھے؟ میں نے غور سے دیکھا تو اس کی وجہ معلوم ہوگئی اور میری روح کھنچ کر کلیجے میں سمٹ آئی کیونکہ وہ سب کرگس ایک خاص جھاڑی کی طرف ٹکٹکی باندھے دیکھ رہے تھے۔

آدم خور شاید اس جھاڑی میں چھپا ہوا تھا اور اس نے مجھے دیکھ لیا تھا۔ میں نے گردن موڑ کر خوب اچھی طرح سے جھاڑی میں دیکھنے کی کوشش کی جو مجھ سے صرف پندرہ فٹ کے فاصلے پر تھی۔ میری گاڑی پگڈنڈی کے اس کنارے پر اتنی دور کھڑی تھی کہ وہاں پہنچنے سے پہلے ہی آدم خور نے مجھے آلینا تھا۔ اس درخت پر چڑھنا بھی میرے بس کی بات نہ تھی۔ موت میرے سامنے اپنے بھیانک جبڑے پھاڑے کھڑی تھی۔ میں آہستہ آہستہ درخت کی طرف بڑھنے لگا تاکہ میرا اور آدم خور کا درمیانی فاصلہ زیادہ سے زیادہ ہوجائے۔ رائفل میرے ہاتھ میں تھی لیکن میں جانتا تھا کہ اس عالم میں صحیح نشانہ لینا میرے بس کی بات نہیں تھی اور ویسے بھی کسی آدم خور سے مقابلہ کرنے کا یہ میرا پہلا موقع تھا۔ میں تو یکسر ناتجربہ کار آدمی تھا۔ آدم خور کے مقابلے میں تو بڑے بڑے تجربہ کار اور ماہر شکاریوں کے بھی ہوش و حواس گم ہوجاتے ہیں۔ مجھے رہ رہ کر اپنی حماقت پر غصہ آنے لگا کہ آخر میں اکیلا ہی کیوں وہاں چلا آیا تھا۔

درخت تک پہنچ کر میں اس کے پیچھے چھپ گیا۔ میں نے دیکھا کہ کرگس ابھی تک اسی جھاڑی کی طرف دیکھ رہے تھے۔ پھر ایک دم ہی جھاڑی میں کچھ حرکت ہوئی۔ میں نے آدم خور کی لمبی دم کو حرکت کرتے ہوئے دیکھ لیا۔ وہ یقیناً مجھ پر حملہ کرنے کے لیے پر تول رہا تھا۔ صرف دو ہی چھلانگوں میں وہ مجھ تک پہنچ سکتا تھا۔ میں نے کانپتے ہاتھوں سے رائفل اٹھائی اور جھاڑی کی طرف اندھا دھند فائر کردیا۔ ایک ہولناک گرج کے ساتھ آدم خور جھاڑی سے باہر نکلا اس کی گرج سے جنگل کی خاموش فضا میں اک شور محشر سا برپا ہوا۔ درخت پر بیٹھے کرگس چیختے چلاتے اِدھر اُدھر اڑنے لگے۔ چند لمحوں کے لیے آدم خور کی توجہ ان کی طرف ہوگئی۔ اسی موقع نے میری جان بچالی۔ میں نے اللہ کا نام لے کر دوسرا فائر کیا۔ گولی شیر کی گردن میں لگی۔ وہ فضا میں کئی فٹ اوپر اچھلا اور غراتا ہوا دوبارہ جھاڑی میں جا چھپا۔ میرا جسم اتنی دیر میں پسینے میں نہا چکا تھا اور دل کی دھڑکن گویا رک جانے کو ہی تھی۔ میں نے اپنے ہوش و حواس برقرار رکھنے کی کوشش کی اور رائفل تان کر اس جھاڑی پر بے تحاشہ گولیاں برسادیں۔ تھوڑی دیر بعد شیر کے غرانے کی آواز بند ہوگئی لیکن مجھ پر ایسا خوف طاری تھا کہ مجھ میں ایک قدم بھی آگے بڑھنے کی جرأت نہ رہی تھی۔

میں دیر تک درخت کے تنے سے چمٹا کھڑا رہا۔ پھر میں نے رابرٹ کی گاڑی کے ہارن کی آواز سنی۔ شاید وہ گھر واپس آچکا تھا اور اب مجھے وہاں نہ پاکر میری تلاش میں جنگل میں پہنچ گیا تھا۔ اس نے شاید فائروں اور شیر کے دھاڑنے کی آوازیں بھی سن لی تھیں۔ میری گاڑی دیکھ کر اس نے اپنی جیپ وہاں روک دی اور باہر نکل آیا اس کے ہمراہ دو مسلح آدمی تھے۔ میں نے آواز دے کر انہیں وہیں روک دیا اور پکار کر کہا۔

''آدم خور جھاڑی کے اندر موجود ہے۔ شاید مرچکا ہے!''

رابرٹ کے ہمراہیوں نے میرے اشارہ پر ایک لمبا چکر کاٹ کر دوسری طرف سے جھاڑی کا معائنہ کیا۔ وہاں آدم خور اپنے ہی خون میں نہایا ہوا بے حس و حرکت پڑا تھا۔ اسے مرا ہوا دیکھ کر وہ دونوں خوشی سے اچھلنے کودنے اور نعرے لگانے لگے۔ بستی کے تمام لوگ وہاں جمع ہوگئے اور آدم خور کو بانسوں پر اٹھا کر بستی میں لے آئے۔ اس کے جسم سے تین گولیاں نکالی گئیں اور یوں آسام کا یہ آدم خور ایک اناڑی ڈاکٹر کے ہاتھوں اپنے کیفر کردار کو پہنچ گیا۔ یہ میرا پہلا اور آخری شکار تھا کیونکہ چند دن بعد لندن سے میرے نام خط پہنچا کہ فوراً واپس پہنچو۔ اب یہ حال ہے کہ لندن میں، میں جس شخص کو بھی اپنے ہاتھوں اس آدم خور کے مارے جانے کا قصہ سناتا ہوں وہ مجھے گپ باز سمجھتا ہے۔

++

www.zemtime.com